QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

ابتلا کا قرآنی فلسفہ اور عصر حاضر کے مفکرین کا بیانیہ

The Qur'anic Philosophy of Trial and the Narrative of Contemporary Muslim Thinkers

Dr. Shazia
Assistant Professor, Department of Islamic Studies GCWUF, Faisalabad
Email: shaziaadnan@gcwuf.edu.pk
Hafiza Iqra Nawaz
M.Phil Scholar, Department of Islamic Studies, GCWUF, Faisalabad
Email: iqranoor1928@gmail.com

In Islamic teachings, human life is described as a continuous test. According to the Qur'an and Sunnah, this world is a place of trial (Dar al-Ibtalā), where man is tested through various conditions such as joy and sorrow, wealth and poverty, ease and hardship, health and sickness, peace and fear.Classical Muslim scholars such as al-Ghazali, Ibn Taymiyyah, Ibn al-Qayyim, and Shah Waliullah interpreted trials as a source of spiritual training and nearness to Allah. Contemporary thinkers such as Allama Iqbal, Maulana Maududi., Wahiduddin Khan,Yusuf al-Qaradawi, Javed Ahmad Ghamidi, and Tariq Ramadan have analyzed the Qur'anic philosophy of trials in the light of modern challenges.This article highlights the Qur'anic philosophy of trials, elaborates on classical and modern scholarly perspectives, and provides an in-depth analysis for understanding the role of trials in shaping the moral, spiritual, and intellectual development of Muslims in the contemporary world.

Keywords: Qur'an, Trial, Patience, Gratitude, Islamic Thinkers, Contemporary Challenges.

DOAJ OPEN GLOBAL TRUSTED
Academic Resource Index ResearchBib
Journament
CiteFactor Academic Scientific Journals
اشاریہ اردو جرائد
Eoi Electronic Object Identifier
I2OR
Cosmos

تعارف

عصرِ حاضر کا انسان تہذیبی، فکری اور روحانی سطح پر ایک پیچیدہ دور سے گزر رہا ہے۔ سائنسی ترقی، صنعتی و اقتصادی انقلاب، جدید ذرائع ابلاغ اور عالمی سیاست نے انسانی زندگی میں غیر معمولی سہولیات ضرور فراہم کی ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ بے یقینی، ذہنی دباؤ، تنہائی، اخلاقی زوال اور روحانی خلا جیسے بحران بھی جنم لے چکے ہیں۔ مختلف قومیں جنگ، معاشی غلامی، ماحولیاتی تباہی اور تہذیبی کشمکش کا شکار ہیں۔ فرد کی سطح پر اضطراب، مایوسی، بے مقصدیت اور خوف جیسے نفسیاتی مسائل عام ہو چکے ہیں۔ ان

سب چیلنجز کے درمیان قرآنِ حکیم کا وہ جامع تصورِ ابتلاء ایک نئی معنویت کے ساتھ سامنے آتا ہے، جو انسان کو نہ صرف انفرادی سکون عطا کرتا ہے بلکہ اجتماعی تعمیر و اصلاح کا ایک مستقل راستہ بھی دکھاتا ہے۔

ایسے فکری و تہذیبی پس منظر میں قرآن کی تعلیمات کو محض ایک مقدس مذہبی نص کے طور پر پڑھنا کافی نہیں رہا، بلکہ انہیں انسانی تجربات، نفسیاتی حقیقتوں اور معاشرتی مسائل کے سیاق و سباق میں سمجھنا ناگزیر ہو چکا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں جدید اسلامی مفکرین کی تشریحات نہایت اہمیت اختیار کر لیتی ہیں۔ علامہ محمد اقبال نے قرآن کے پیغام کو خودی، کردار اور عمل کے ساتھ جوڑ کر ایک فعال انسان اور زندہ ملت کا تصور پیش کیا، جو آزمائشوں کے ذریعے کمال تک پہنچتی ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ابتلاء کو دین کے عملی نفاذ اور اسلامی جدوجہد کے تناظر میں دیکھا، جبکہ مولانا وحید الدین خان نے اسے صبر، دعوت، عقل اور امن کی روشنی میں عصری انسان کے لیے ایک روحانی ذریعہ قرار دیا۔

یہی وجہ ہے کہ اس فصل میں ہم قرآنی تصورِ ابتلاء کو عصرِ حاضر کے اہم اسلامی مفکرین کے افکار کی روشنی میں جانچنے اور سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اس مطالعہ کا مقصد محض نظری یا تاریخی تجزیہ نہیں، بلکہ یہ دریافت کرنا ہے کہ کیسے قرآن کا یہ تصور جدید انسانی زندگی کے مسائل میں روشنی فراہم کرتا ہے۔ ان مفکرین کی فکری کاوشیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ قرآنی پیغام ہر زمانے میں زندہ اور مؤثر رہتا ہے، بشرطیکہ اسے درست فکری اور عملی تناظر میں سمجھا جائے۔

ابتلا کا قرآنی فلسفہ:

ابتلاء و آزمائش ایمان کا لازمی حصہ ہیں قرآن جہاں اپنے ماننے والوں کو راحتوں اور خوشیوں سے نوازتا ہے وہیں اپنے ماننے والوں کے لئے ابتلاؤں اور آزمائشوں کا اعلان بھی فرماتا ہے. دراصل یہ ایک امتحان ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں سے لیتا ہے جس کا مقصد اصلی ان کو اس امتحان میں کامیابی عطا فرما کر اعلیٰ مقامات و مناصب پر فائز فرمانا ہوتا ہے کہ یہ دنیا ایک دارالامتحان ہے اور حکمت خداوندی بھی یہی ہے کہ کہ وہ اپنے برگزیدہ بندوں کو آزماتا ہے تاکہ حق کو باطل سے اور پاک کو ناپاک سے جدا فرمادے

قرآن میں ابتلا کے مختلف پہلو واضح کیے گئے ہیں

ایمان کی آزمائش:

قرآن مجید کے مطابق آزمائش کا اصل مقصد انسان کے ایمان کو پرکھنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُوْلُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَ قُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَذِ بِيْن[1]

(کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ کہیں ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہو گی۔ اور بیشک ہم نے ان سے اگلوں کو جانچا تو ضرور اللہ بچوں کو دیکھے گا اور ضرور جھوٹوں کو دیکھے گا۔)

اجتماعی آزمائش:

قرآن مجید کئی اقوام کے اجتماعی انجام کو بیان کیا گیا ہے جنہوں نے اللہ کے پیغام کو جھٹلایا ظلم، سرکشی اور غرور اختیار کیا اور نتیجے میں اجتماعی آزمائش یا زوال کا شکار ہوئے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے

"وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ" [2]

(اور بے شک ہم نے تم سے پہلی اُمتوں کی طرف رسول بھیجے تو انہیں سختی اور تکلیف سے پکڑا کہ وہ کسی طرح گڑگڑائیں)

مال، اولاد اور جان کی آزمائش:

یہ تینوں عناصر انسانی زندگی کے اہم ترین اجزاء ہیں اور جب اللہ تعالی ان میں کمی، نقصان یا محرومی پیدا کرتا ہے تو در حقیقت انسان کے صبر، توکل اور اخلاص کو آزماتا ہے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے

"إِنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَأَوْلَٰدُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَٱللَّهُ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ" [3]

(تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو آزمائش ہی ہیں، اور اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے)

یہ آیت ہمیں متنبہ کرتی ہے کہ اگرچہ مال اور اولاد اللہ کی نعمتیں ہیں، لیکن اگر ان سے محبت اللہ کی اطاعت سے بڑھ جائے یا انسان ان کے سبب غفلت کا شکار ہو جائے، تو وہ نعمتیں آزمائش بن جاتی ہیں۔

انبیاء کرام پر آنے والی آزمائشیں:

ان آیات کریمات کی وضاحت سے پتہ چلتا ہے کہ آزمائش انسانی زندگی کا حصہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ بالجملہ انسانوں پر اور بالخصوص تمام انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام، خاص طور پر پہلے رسولوں علیہم السلام پر بہت زیادہ ابتلائیں، آزمائشیں اور تکالیف آئیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اولو العزم کا خطاب دیا حضرت یوسف علیہ السلام ہی کو لے لیجئے بچپن میں گھر سے دربدر ہوئے پھر غلام بنا کر معمولی سی قیمت پر خرید و فروخت ہوئی، مالک کے گھر میں الزام لگا اور پھر قید و بند کی صعوبتیں، لمبا عرصہ جیل میں گزارنا اور پھر اپنے بھائیوں اور والدین سے ملاقات حضرت یعقوب علیہ السلام کو لے لیجئے بیٹے کی مفارقت کا غم شدید

اور اس پر صبر جمیل، آنکھوں کی بصارت کا چلے جانا مگر اللہ کی رحمت سے کسی صورت مایوس نہ ہونا ان کا واقعہ سورۂ یوسف میں تفصیل سے مذکور ہوا اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائشیں بھی انفرادی سطح پر نہایت سخت تھیں، مگر ان میں ایمانی قوت اور قربانی کا جذبہ نمایاں نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی اولاد کو قربان کرنے، وطن چھوڑنے، اور بت پرست قوم سے ٹکر لینے کا حکم دیا۔ ان کی زندگی کا ہر مرحلہ آزمائش سے بھرا ہوا تھا، لیکن وہ ہر بار سرخرو ٹھہرے۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے:

"وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ رَبُّه بِكَلِمَاتٍ فَاَتَمَّهُنَّ [4] "

(اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو اس نے انہیں پورا کیا۔)

یہ آیت اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی، امامت، اور بلند مقام حاصل کرنے کے لیے عظیم قربانی اور آزمائشوں سے گزرنا ضروری ہے۔

اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کا ابتلاؤں اور آزمائشوں میں گھرنا مگر ان سب حضرات مقدسہ علیہم السلام نے صبر و استقامت سے کام لیا تا کہ ان کی امتوں پر جب تکالیف آئیں، ابتلاؤں میں پڑیں تو ان کے حالات سے سبق حاصل کریں ان ابتلاؤں اور آزمائشوں پر صبر کریں اور مضبوطی کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہیں.

عصر حاضر کے مفکرین کا بیانیہ

اسلامی فکر کا تسلسل ہر دور میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے نئے سوالات سے دوچار ہوتا رہا ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں یہ سوالات زیادہ تر مذہبی فقہ، کلام اور فلسفہ کے دائرے میں محدود تھے، لیکن بیسویں صدی میں جب مسلمان دنیا نو آبادیاتی تسلط، مغربی تہذیب کے دباؤ، سائنسی انقلاب، سیاسی زوال اور فکری شکست خوردگی کا شکار ہوئی، تو اسلامی فکر کو ایک نئے زاویے سے سمجھنے کی ضرورت پیدا ہوئی۔ اس تناظر میں کچھ ایسی علمی شخصیات سامنے آئیں جنہوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں ان جدید چیلنجز کا سامنا کرتے ہوئے اسلام کی تعبیرِ نو کی کوشش کی۔ ان میں علامہ محمد اقبال، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، اور مولانا وحید الدین خان ایسی شخصیات ہیں جنہوں نے اسلامی فکر کو نہ صرف فلسفیانہ، سیاسی اور دعوتی بنیادوں پر از سرِ نو تشکیل دیا بلکہ قرآن کے بنیادی تصورات، جیسے "ابتلاء"، کو بھی ایک عصری معنویت دی۔

علامہ اقبال اور تصورِ ابتلاء

علامہ محمد اقبال کا فکری نظام قرآن کے اصولوں پر مبنی ہے، اور ان کی تمام شاعری، فلسفہ، اور خطبات دراصل ایک "زندہ اور متحرک انسان" کی تخلیق کی کوشش ہیں۔ اقبال کے نزدیک انسانی زندگی میں آزمائش کوئی وقتی حادثہ نہیں بلکہ تربیت، ترقی اور تکمیل کا ایک فطری مرحلہ ہے۔ ان کے تصورِ خودی، ملت، انسانِ مومن، اور فلسفۂ تاریخ میں "ابتلاء" ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے، جو فرد اور قوم دونوں کی روحانی و عملی ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔

1. اقبال کے تصورِ خودی میں ابتلاء کی اہمیت

اقبال کا سب سے اہم اور مرکزی تصور "خودی" ہے، جو دراصل انسان کے باطنی شعور، آزادیٔ ارادہ، اور روحانی طاقت کا استعارہ ہے۔ اقبال کے مطابق خودی ایک بیج کی مانند ہے، جو آزمائش، جدوجہد اور مسلسل محنت کے بغیر نشوونما نہیں پا سکتا۔ وہ ابتلاء کو خودی کی تربیت کا سب سے اہم ذریعہ سمجھتے ہیں۔[5]

"خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے[6] "

اقبال کے نزدیک آزمائش ہی وہ کسوٹی ہے جس پر انسان کی خودی نکھرتی ہے۔ جب انسان کسی بحران، دکھ، یا مشکل سے گزرتا ہے، تو اس کے اندر کی پوشیدہ صلاحیتیں ابھرتی ہیں۔ وہ آزمائش کو ایک روحانی سمجھتے ہیں، جو انسان کو نہ صرف خدا سے جوڑتی ہے بلکہ اس کے اندر قیادت، عزم اور خود اعتمادی جیسی صفات پیدا کرتی ہے۔

اقبال نے قرآن کے اس تصور کو بخوبی جذب کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے تاکہ ان کی حقیقت واضح ہو، جیسا کہ فرمایا:

"أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ"[7]

فرد، ملت اور آزمائش

اقبال کی شاعری صرف فرد کی روحانی تربیت تک محدود نہیں بلکہ ایک مکمل ملت کی تعمیر کا خاکہ بھی پیش کرتی ہے۔ اُن کے نزدیک ملتِ اسلامیہ کا احیاء اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ آزمائشوں سے گزر کر اپنی اصل روحانی طاقت کو دوبارہ دریافت نہ کرے

انہوں نے اپنی ملی شاعری میں امت کے زوال کو تنقیدی نظر سے دیکھا اور بتایا کہ یہ زوال دراصل آزمائش ہے، جو ایک نئی بیداری کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے"۔[8]

اقبال کی نظم شکوہ" اور "جوابِ شکوہ "میں وہ ملت کی شکایت کو ایک تعمیری راستے پر لے کر آتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ آزمائشیں دراصل اللہ کی طرف سے امتحان ہیں، نہ کہ ناانصافی۔

"یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے

لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا"[9]

وہ قوموں کو بیدار کرنے کے لیے ابتلاء کو ایک لازم عنصر تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک صرف وہی قوم زندہ رہ سکتی ہے جو آزمائش کو راہِ ترقی کا زینہ بنائے۔

اقبال کے بقول:

"اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات میں ایک شریک کار کے طور پر پیدا کیا ہے، اور
آزمائشیں اسی شراکت داری کا حصہ ہیں۔"[10]

اس فکری زاویے سے اقبال کا تصورِ ابتلاء محض صوفیانہ یا تقدیر پرستانہ نہیں بلکہ عقلی، اختیاری اور عملی ہے۔

انسانِ مومن اور ابتلاء

اقبال کے ہاں "مومن" ایک ایسی ہستی ہے جو آزمائش سے نہ گھبراتی ہے، نہ مایوس ہوتی ہے، بلکہ وہ ابتلاء کو اپنے ایمان کے اظہار اور روحانی بلندی کا ذریعہ بناتی ہے۔ "مردِ مومن "اقبال کا وہ مثالی کردار ہے جو وقت کے فرعونوں سے ٹکراتا ہے، ظلم کے خلاف کھڑا ہوتا ہے، اور آزمائش کو سعادت سمجھتا ہے۔[11]

"ہزاروں سجدے تڑپتے ہیں میری جبین میں
تو کرلے بندۂ مومن مجھے عطا کیجیے"[12]

اقبال کے مومن کی پوری زندگی ایک مسلسل آزمائش ہے، مگر وہ اسے بوجھ نہیں بلکہ مقامِ افتخار سمجھتا ہے۔
ان کے نزدیک مومن وہ ہے جو مشکلات میں **"شیر نر "** کی طرح آگے بڑھتا ہے، جو "موت" کو بھی "پیغامِ زندگی" میں بدل دیتا ہے۔

علامہ اقبال کا تصورِ ابتلاء ان کی شاعری، فلسفہ اور دینی فکر کا بنیادی جزو ہے

"ان کے نزدیک آزمائش ایک موقع ہے۔ انسانی عظمت کے ظہور کا، روحانی بلندی کا، اور اجتماعی بیداری کا۔ اقبال کی فکر میں قرآن کی آیات صرف تلاوت کے لیے نہیں، بلکہ زندگی کی عملی رہنمائی کے لیے ہیں"

اور ابتلاء ان آیات کی سب سے طاقتور تعبیر ہے۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ آزمائشیں ہمارے زوال کی نہیں، بلکہ احیاء اور تعمیرِ نو کی بنیاد بن سکتی ہیں، اگر ہم ان کا سامنا صبر، عمل، اور شعور سے کریں۔

قرآن اور ابتلاء کا تعلق

اقبال قرآن کو ایک متحرک کتاب مانتے ہیں جو انسان کو زندگی کی حقیقتوں کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرتی ہے۔ ان کے نزدیک قرآن کا پیغام جامد تقدیر پر ایمان کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ انسان کو خودی، قربانی، اور صبر کے ذریعے مشکلات سے نبرد آزما ہونے کی ترغیب دیتا ہے ۔ وہ قرآن کے ذریعے ایک ایسے فرد کی تخلیق چاہتے ہیں جو آزمائش سے نہ گھبرائے بلکہ اس سے روحانی و اخلاقی بلندی حاصل کرے۔

مولانا مودودی اور تصورِ ابتلاء

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی (1903–1979) بیسویں صدی کے ان نمایاں مفکرین میں سے تھے جنہوں نے اسلامی فکر کو جدید تقاضوں کے مطابق ایک ہمہ گیر نظریۂ حیات کی صورت میں پیش کیا۔ اُن کے افکار میں **ابتلاء** محض ایک مذہبی یا روحانی معاملہ نہیں، بلکہ ایک جامع سماجی، سیاسی، اور تحریکی مفہوم کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ مولانا کے نزدیک آزمائش ایمان کے حقیقی ہونے کا معیار، تحریکی تربیت کا ذریعہ، اور اقامتِ دین کی راہ کا لازمی مرحلہ ہے (مودودی، 1998)۔

تصورِ ابتلاء

مولانا مودودی کے نزدیک ابتلاء ایک فطری اور ناگزیر اصول ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے مقرر کرتا ہے تاکہ اُن کی وفاداری، خلوص، اور عملی استعداد کا امتحان لیا جاسکے۔ ان کا کہنا ہے:

"یہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے۔ یہاں ایمان محض زبانی دعویٰ نہیں بلکہ ایک عملی امتحان کا میدان ہے۔"[13]

ابتلاء صرف انفرادی سطح پر نہیں بلکہ اجتماعی سطح پر بھی ہوتا ہے، خصوصاً جب ایک قوم دینِ حق کی دعوت و اقامت کا عَلَم بلند کرتی ہے۔ مولانا کے مطابق اسلامی تحریک کا ہر کارکن آزمائش کے مرحلوں سے گزرے بغیر صحیح قیادت یا قربانی نہیں دے سکتا۔ ان کے مطابق یہ آزمائشیں دراصل ترقی کا زینہ ہیں، ناکامی نہیں۔

قرآنی تفسیر اور ابتلاء

"تفہیم القرآن" میں مودودی نے درجنوں مقامات پر آزمائش، فتنے، مصائب اور صبر کے مفاہیم کو سیاسی اور سماجی جدوجہد کے تناظر میں پیش کیا ہے

"مولانا مودودی کے نزدیک آزمائش ایمان کو خالص کرنے، اور جماعت کو تربیت دینے کا قدرتی ذریعہ ہے ۔[14]

دینی جدوجہد اور آزمائش

مولانا مودودی نے تفہیم القرآن میں متعدد مقامات پر ابتلاء کے قرآنی تصور کو عصرِ حاضر کی اسلامی جدوجہد سے جوڑتے ہوئے واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اُس شخص کو آزماتا ہے جو ایمان کا دعویٰ کرتا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرہ کی آیت 214 کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:

"یہ دنیا کوئی دارالنعمت نہیں، بلکہ دارالامتحان ہے، اور جو لوگ اللہ کی راہ میں نکلتے ہیں ان پر آزمائش آتی ہی اس لیے ہے کہ ان کے دعوائے ایمان کا وزن معلوم ہو سکے"[15]

اسی طرح سورۃ العنکبوت (29:2) کی آیت "أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا..." کی تفسیر میں وہ وضاحت کرتے ہیں کہ ایمان کا زبانی دعویٰ کافی نہیں، بلکہ آزمائش سے گزرنا ہر مؤمن کا مقدر ہے۔[16]

مولانا وحید الدین خان اور تصورِ ابتلاء

مولانا وحید الدین خان (1925–2021) برصغیر کے ممتاز مفکر، عالم دین، اور جدید دعوتی اسلوب کے علمبردار تھے۔ ان کا سب سے نمایاں کارنامہ یہ تھا

"انہوں نے قرآن کی تعلیمات کو امن، عقل، برداشت اور روحانی تربیت کے اصولوں کے تحت عصرِ حاضر کے انسان تک مؤثر انداز میں پہنچایا۔ ان کی فکر میں "ابتلاء" محض ایک آزمائش نہیں بلکہ انسانی شخصیت کی تعمیر، اصلاح اور دعوتِ دین کے فروغ کا موقع ہے۔ وہ آزمائش کو شکایت یا مایوسی کے بجائے ایک "موقع" سمجھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی ترقی کے لیے عطا ہوتا ہے۔

تصورِ ابتلاء:

وحید الدین خان کے نزدیک ابتلاء اللہ کا ایک عظیم نظام ہے جو انسان کی تربیت، ترقی اور تجدید کا ذریعہ ہے۔

مولانا وحید الدین خان کے بقول:

> **"اللہ تعالیٰ انسان کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے تاکہ وہ اپنی اصل شخصیت کو ظاہر کر سکے۔ آزمائش انسان کے لیے سزا نہیں بلکہ تربیت کا موقع ہے"۔**[17]

مولانا کی مشہور تصنیف "Tazkirul Quran" میں انہوں نے قرآنی آیات کی تفہیم کرتے ہوئے کئی مقامات پر آزمائش کو خدا کی رحمت قرار دیا ہے جو انسان کو ضبط، تحمل اور شعور کی منازل تک لے جاتی ہے۔

صبر، حکمت اور آزمائش:

مولانا وحید الدین خان کی دعوتی فکر کا مرکزی ستون **صبر** اور **حکمت** ہے، جس کا براہِ راست تعلق قرآن کے تصورِ ابتلاء سے جڑتا ہے

"اُن کے مطابق جو شخص اللہ کے دین کا داعی بنتا ہے، اُس کے لیے صبر، برداشت، اور مستقل مزاجی لازم ہے کیونکہ راہِ حق میں آزمائشیں ناگزیر ہیں"۔

وہ سورۃ العصر کی تشریح میں لکھتے ہیں:

> **"دعوتِ دین کا راستہ سب سے کٹھن راستہ ہے۔ اس میں قدم قدم پر آزمائش آتی ہے، اور داعی کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ صبر اور حکمت سے کام لے۔"**[18]

مولانا کے نزدیک صبر ایک فعال رویہ ہے، نہ کہ محض روایتی خاموشی۔ وہ آزمائشوں میں صبر کو دعوتی استقامت اور شعور کے ساتھ جوڑتے ہیں، اور اسے ایک اخلاقی فریضہ قرار دیتے ہیں۔

"انہوں نے جدید انسان کے لیے مذہب کو سائنسی، فکری، اور سماجی بنیادوں پر معقول بنانے کی کوشش کی"

دعوتی نقطہ نظر

مولانا کا تصورِ ابتلاء ہمیں سکھاتا ہے کہ ہمیں مشکلات، چیلنجز اور فکری اختلافات کے دوران مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان کو ایک فکری اور روحانی موقع سمجھ کر دعوتی اور تعمیری انداز اختیار کرنا چاہیے۔[19]

یہ تینوں مفکرین اگرچہ مختلف علمی و فکری زاویوں سے اسلامی دنیا کی رہنمائی کرتے رہے، لیکن ان کے ہاں "ابتلاء" کا تصور ایک قدرِ مشترک ہے۔ اقبال اسے خودی کے ارتقاء کا ذریعہ، مودودی اسے اقامتِ دین کے لیے قربانی کا میدان، اور وحید الدین خان اسے انفرادی اصلاح و دعوت کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے افکار میں نہ صرف قرآن کی گہرائی جھلکتی ہے بلکہ جدید انسان کے ذہنی، فکری اور اخلاقی سوالات کا جواب بھی موجود ہے۔ آگے کی فصلوں میں ہم ان کے تصورِ ابتلاء کو تفصیل سے قرآن کی روشنی میں جانچنے کی کوشش کریں گے۔

قرآنی اور عصری ابتلاء میں مماثلتیں: ایک تقابلی جائزہ

دنیا کی ہر قوم، ہر فرد اور ہر دور آزمائش کے مرحلے سے گزرتا ہے، مگر قرآن مجید نے اس حقیقت کو ایک فکری، اخلاقی اور روحانی تناظر میں واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ عصرِ حاضر کی آزمائشیں اگرچہ تکنیکی اور مادی شکلوں میں ظہور پذیر ہوئی ہیں، مگر ان کے پس پشت وہی اصول کارفرما ہیں جنہیں قرآن مجید نے صدیاں پہلے واضح کر دیا تھا۔ اس باب میں ہم قرآن اور آج کے دور کی ابتلاء میں پائی جانے والی گہری مماثلتوں کا تجزیہ کرتے ہیں:

1. آزمائش کا مقصد: تربیت یا سزا؟

قرآن مجید ابتلاء کو محض سزا نہیں سمجھتا، بلکہ ایک ایسا عمل قرار دیتا ہے جو فرد یا قوم کی تربیت، تزکیہ اور ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو کبھی خیر کے ذریعے اور کبھی شر کے ذریعے آزماتا ہے تاکہ اس کے عمل، صبر، شکر، اور ارادے کو پرکھا جاسکے۔[20]

"وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً "[21]

(ہم تمہیں شر اور خیر دونوں سے آزماتے ہیں (فتنے کے طور پر)

قرآنی تصور:

آزمائش کا مقصد انسان کو اس کے اندرونی اخلاقی مقام سے روشناس کرانا قرآن انسان کو سوچنے، غور کرنے اور اپنے نفس پر قابو رکھنے کا درس دیتا ہے:

"قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا[22] "

(کامیاب ہوا وہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا، اور ناکام وہ جس نے اسے دبا دیا)

عصر حاضر کی تعبیر:

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرے، کیونکہ اللہ کی مدد صرف ان کے ساتھ ہے جو خود بھی سچائی، عمل، قربانی اور صداقت پر قائم ہوں۔

إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ [23]"

(اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔)

نتیجہ:

اگرچہ دونوں (قرآنی و عصری) تناظر میں آزمائشیں موجود ہیں، مگر فرق نیت، فہم اور رد عمل کا ہے۔ قرآن کے نزدیک ابتلاء میں تعلیم، تزکیہ اور تربیت پوشیدہ ہے، جب کہ آج کا انسان اسے صرف سزا یا رکاوٹ سمجھتا ہے۔

2. قرآن کا رد عمل اور آج کے انسان کا رد عمل

قرآن بارہا آزمائشوں پر صبر، رجوع، استغفار، اور دعوتی رویے کی تلقین کرتا ہے، جب کہ آج کا انسان آزمائش پر رد عمل کی شدت، احتجاج، بغاوت، یا مایوسی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

"وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ "[24]

(اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔ (۱۵۵) وہ لوگ کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔)

قرآنی رد عمل:

قرآن مجید آزمائشوں کا حل سب سے پہلے توبہ، انابت اور اصلاحِ نفس میں بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ [25] "

(تو کیوں نہ جب اُن پر ہمارا عذاب آیا تو وہ عاجزی اختیار کرتے؟ لیکن ان کے دل سخت ہو گئے تھے۔)

اس آیت میں واضح طور پر بتایا گیا کہ مصیبتوں کے وقت رجوع کی بجائے اگر دل سخت ہو جائیں، تو عذاب مزید بڑھتا ہے۔ آزمائش سے نجات کے لیے پہلا قدم صدقِ دل سے توبہ، عاجزی، اور رجوع الی اللہ ہے۔

عصری رد عمل:

ظلم، کرپشن، اور غیر منصفانہ سیاسی و معاشی ڈھانچے کسی بھی معاشرے کے زوال کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے:

"وَتِلْكَ ٱلْقُرَىٰٓ أَهْلَكْنَٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا۟ وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِدًا"[26]

(یہ بستیاں تھیں جنہیں ہم نے ہلاک کیا جب انہوں نے ظلم کیا، اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے وقت مقرر کر رکھا تھا۔)

یہ آیت بتاتی ہے کہ ظلم صرف اخلاقی جرم نہیں بلکہ اجتماعی تباہی کا سبب بھی ہے۔ عصرِ حاضر میں اکثر مسلم معاشروں میں بد عنوانی(corruption) ، قانون کی عدم بالادستی، اور طاقتور طبقات کی بے لگام اجارہ داری عام ہو چکی ہے۔ یہ سب مظالم در حقیقت اجتماعی آزمائش کا ذریعہ بن چکے ہیں۔

مولانا مودودی:

"امت کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ آزمائش کو اللہ کی سنت سمجھ کر صبر و استقامت سے کام نہ لے۔[27]"

قرآنی ابتلاء اور عصرِ حاضر کی آزمائشیں اگرچہ وقت اور صورت کے لحاظ سے مختلف ہیں، مگر مقاصد، نتائج، اور تقاضے حیرت انگیز حد تک یکساں ہیں۔ قرآن ان آزمائشوں کو تربیت، تزکیہ، اور فلاح کا ذریعہ بناتا ہے، جب کہ جدید انسان مادی معیارات کے تحت ان کا سامنا کرتا ہے۔ اگر ہم قرآن کے ان اصولوں کو دوبارہ زندہ کریں تو آج کی فکری اور عملی گمراہی کا ازالہ ممکن ہے۔

قرآن مجید میں بیان کردہ تصورِ ابتلاء محض ایک اخلاقی یا مذہبی اصطلاح نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر، ہمہ زمانی اور ہمہ مکانی حقیقت ہے جو فرد، معاشرہ، قوم، تہذیب اور تاریخ کی ساخت میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ قرآن نہ صرف انسان کی انفرادی آزمائش کو بیان کرتا ہے بلکہ اقوام، حکومتوں، نظریات اور تہذیبوں کو بھی ابتلاء کے کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ اس کی تعلیمات اس امر کی وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خیر و شر، نعمت و مصیبت، امن و خوف، اور فتح و شکست، سب اس کے امتحانی نظام کا حصہ ہیں۔ یہ تصور انسان کو دنیا کی ہر حالت میں شعوری، اخلاقی اور روحانی طور پر بیدار رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

عصرِ حاضر میں جب انسان مختلف فکری، اخلاقی، معاشی اور تہذیبی آزمائشوں سے گزر رہا ہے، قرآن کے اصولِ ابتلاء مزید واضح معنویت اختیار کر جاتے ہیں۔ الحاد، نفس پرستی، معاشی ناانصافی، اور تہذیبی زوال کے اس دور میں قرآن انسان کو یاد دلاتا ہے کہ یہ سب محض اتفاقی یا خارجی عوامل نہیں بلکہ اس کی سوچ، عمل اور اجتماعی رویے کی آزمائشیں ہیں۔ علامہ اقبال، مولانا مودودی اور مولانا وحید الدین خان جیسے مفکرین نے عصرِ حاضر کے اس تناظر میں قرآنی فکر کی تجدید کی، اور بتایا کہ کامیابی اُنہی کو

نصیب ہو گی جو صبر، توکل، رجوع الی اللہ اور عملِ صالح کا راستہ اختیار کریں گے۔ یہی وہ پیغام ہے جو آج کے انسان کو دوبارہ روحانی بیداری، فکری استقلال، اور اجتماعی اصلاح کی طرف بلاتا ہے۔

خلاصہ

قرآنِ مجید کا تصورِ ابتلاء ایک جامع، بامعنی اور ہمہ گیر تصور ہے جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ اس تحقیق کے دوران یہ بات نمایاں ہوئی کہ ابتلاء صرف انفرادی آزمائش یا جسمانی تکلیف کا نام نہیں بلکہ ایک فکری، روحانی، اخلاقی اور تہذیبی حقیقت ہے جو انسان اور معاشرے کی تربیت، بیداری، اور رجوع الیٰ اللہ کا ذریعہ بنتی ہے۔ قرآن کے مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو مختلف انداز میں آزماتا ہے تاکہ ان کے باطن کی پاکیزگی، ایمان کی مضبوطی، اور عمل کی صداقت کو ظاہر کیا جاسکے۔

تحقیق میں یہ پہلو بھی ابھر کر سامنے آیا کہ عصرِ حاضر میں جو آزمائشیں درپیش ہیں—جیسے اخلاقی زوال، ماحولیاتی آفات، ذہنی دباؤ، معاشی ناہمواری اور امتِ مسلمہ کا انتشار یہ سب دراصل انسانی اعمال، اجتماعی رویوں، اور الٰہی اصولوں سے روگردانی کا نتیجہ ہیں۔ قرآن ان آزمائشوں کو تنبیہ کے طور پر پیش کرتا ہے تاکہ انسان اپنی روش پر نظرِ ثانی کرے۔ اس سلسلے میں جدید مفکرین خصوصاً علامہ اقبال، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا وحید الدین خان نے ابتلاء کو نہ صرف ایک فکری چیلنج بلکہ ایک روحانی اصلاح اور ترقی کا موقع قرار دیا ہے۔

اقبال کے نزدیک ابتلاء خودی کی تکمیل کا ذریعہ ہے، جب کہ مودودی اسے اجتماعی زندگی کی اصلاح اور حق و باطل کی کشمکش کا فطری نتیجہ تصور کرتے ہیں۔ وحید الدین خان نے اس موضوع کو دعوت، حلم، صبر اور انابت کے تناظر میں بیان کیا ہے۔ ان افکار سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ قرآن کا تصورِ ابتلاء نہ صرف ماضی کی حقیقت ہے بلکہ عصرِ حاضر میں بھی مکمل معنویت اور رہنمائی کا پہلو رکھتا ہے، بشرطیکہ ہم اسے فکری اور عملی طور پر سمجھیں اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں نافذ کریں۔

نتائج وسفارشات

1. **قرآن کے تصورِ ابتلاء کو عصری سیاق میں سمجھنے کی ضرورت**

آج کے فکری و معاشرتی مسائل کے حل کے لیے ضروری ہے کہ قرآن میں بیان کردہ ابتلاء کے مفہوم کو محض تاریخی واقعات کی تفصیل تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اسے موجودہ حالات جیسے ماحولیاتی بحران، ذہنی اضطراب، عالمی ناانصافی، اور مسلم دنیا کے زوال کے تناظر میں سمجھا جائے۔

2. **تعلیم و تدریس میں تصورِ ابتلاء کو شامل کیا جائے**

مدارس، جامعات اور عصری تعلیمی اداروں میں اس موضوع کو نصاب میں شامل کیا جانا چاہیے تاکہ نوجوان نسل آزمائش، مصیبت اور انسانی ذمہ داری کے قرآنی فہم سے آشنا ہو سکے اور اسے محض تقدیر کا کھیل نہ سمجھے۔

3. **اسلامی مفکرین کے افکار کو نصاب کا حصہ بنایا جائے**

علامہ اقبال، مولانا مودودی، اور مولانا وحید الدین خان جیسے مفکرین کے افکار کو نئی نسل تک منتقل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ آزمائش کو ایک مثبت تربیتی عمل اور ترقی کا موقع سمجھنے کی سوچ اختیار کرے۔

---

[1] Al-ʿAnkabūt 29:2–3

[2] Al-Anʿām 6:42

[3] Al-Taghābun 64:15

[4] Al-Baqarah 2:4–12

[5]Jān Muḥammad Mirzā, Iqbal aur Taṣawwur-i-Khudī (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1984), p. 92

[6]Muḥammad Iqbāl, Bāl-i-Jibrīl, Poem "Ṭalab (Lahore: Shaikh Ghulām ʿAlī & Sons, n.d.), p. 52.

[7] Al-ʿAnkabūt 29:2.

[8] Saʿīd Zubair, Iqbal aur Muslim Ummah (Lahore: Iqbal Academy, 1999), p. 88.

[9] Muḥammad Iqbāl, Bāl-i-Jibrīl, poem "Musāfir" (Lahore: Shaikh Ghulām ʿAlī & Sons, n.d.), p. 40.

[10] Sayyid Ḥusayn Naṣr, Islāmī Ḥayāt aur Fikr (London: George Allen & Unwin, 1981), p. 110

[11]Muḥammad Iqbāl, Tajdīd-i-Tafkīr-i-Dīnī (Oxford University Press, 1930), p. 52.

[12] Muḥammad Iqbāl, Bāl-i-Jibrīl, poem "Iblīs kī Munājāt" (Lahore: Shaikh Ghulām ʿAlī & Sons, n.d.), p. 63.

[13] Sayyid Abū al-Aʿlā Mawdūdī, Tafhīm al-Qurʾān (Lahore: Idārah Tarjumān al-Qurʾān, 1976), vol. 2, Sūrah al-Baqarah, p. 214.

[14] Sayyid Abū al-Aʿlā Mawdūdī, Islām kī Tafhīm (Leicester, UK: Islamic Foundation, 1980), p. 38.

[15] Sayyid Abū al-Aʿlā Mawdūdī, Tafhīm al-Qurʾān (Lahore: Idārah Tarjumān al-Qurʾān, 1999), vol. 1, p. 162.

[16] Sayyid Abū al-Aʿlā Mawdūdī, Tafhīm al-Qurʾān (Lahore: Idārah Tarjumān al-Qurʾān, n.d.), vol. 3, p. 24.

[17] Waḥīd al-Dīn Khān, Tadhkir al-Qurʾān (New Delhi: CPS International, 2011), vol. 1, p. 164.

[18] Waḥīd al-Dīn Khān, Islām kī Bāziyāft (New Delhi: Goodword Books, 2013), p. 79.

[19] Waḥīd al-Dīn Khān, Islām kī Bāziyāft (New Delhi: Goodword Books, 2013), p. 79.

[20] Āl ʿImrān 3:139.

[21] Al-Anbiyāʾ 21:35.

[22] Al-Shams 91:9–10.

[23] Al-Raʿd 13:11.

[24] Al-Baqarah 2:155–156.

[25] Al-Anʿām 6:43.

[26] Al-Kahf 18:59.

[27] Sayyid Abū al-Aʿlā Mawdūdī, Tafhīm al-Qurʾān (Lahore: Idārah Tarjumān al-Qurʾān, n.d.), vol. 4, p. 443.